باسمہٖ سبحانہٗ

اصلاح

نمبر ۱۰ | ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء | جلد ۶۴

محرم نمبر کی غیر معمولی مقبولیت

بہم حقیقی کا لاکھوں شکر کہ امسال محرم نمبر کا شمارہ مومنین نے کافی پسند کیا بہت سے مومنین نے مکرر نسخے منگا کر اپنے اہلسنت احباب کو تحفۃً دیئے کچھ مومنین نے ہم سے یہ بھی خواہش کی کہ ہم اس رسالہ کو اپنے یہاں چھپوا کر زیادہ تعداد میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان تمام مومنین کو بخوشی خاطر اجازت دیتے ہیں۔ یہ امر ہمارے لیے مسرت اور خوشی ہی کا باعث ہوگا۔ تھوڑے سے نسخے دفتر میں ابھی باقی رہ گئے ہیں۔ دس بیس کی تعداد میں مومنین ہم سے بھی بذریعہ وی پی طلب کر کے احباب میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

محسنین اصلاح کا خصوصی شکریہ

خداوند عالم جناب یاور حسین صاحب مالیگاؤں ضلع ناسک اور جناب حاجی حامد حسن صاحب مالیگاؤں کو جزائے خیر عنایت فرمائے کہ آپ دونوں بھائی ہمارے لیے بہت بڑی ڈھارس اور اصلاح کے خصوصی مددگار ہیں ہر سال ہی اپنی عنایات سے ہماری مشکلوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں امسال بھی جناب یاور حسین صاحب دام مجدہٗ نے شروع سال میں سو روپیہ مرحمت فرمائے ماہ اگست میں پھر روپیہ دیکر ہماری مدد کی جناب حاجی حامد حسن صاحب دام مجدہٗ نے بھی ماہ اگست میں سو روپیہ مرحمت فرمائے اور اسطرح ماہ اکتوبر کے اصلاح کا بہت کچھ سامان ہو گیا فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء۔ (۳) جناب سید حسن جعفر صاحب رضوی بریلی نے ایک جدید خریدار عنایت فرما کر ہماری مدد کی۔ (۴) جناب ڈاکٹر شیخ غلام النبی حامد ایم کے، آئی۔ حال مجاہر اباٹن سٹی نے دو جدید خریدار عنایت فرما کر شکر گذار کیا۔ منعم حقیقی ان تمام حضرات کو جزائے خیر عنایت فرمائے اور ناصرین مبین میں شمار کرے۔

افسوسناک حادثے

افسوس اسطرف اصلاح کئی ایک اپنے قدیمی مخلصین سے محروم ہو گیا جناب چودھری یقین محمد صاحب ضلع مظفر گڑھ نے انتقال کیا جناب سید عشرت حسین صاحب رضوی خیرپور میرس سندھ نے رحلت فرمائی جناب علی محمد صاحب رضوی نے عین عالم شباب میں سل دق میں مبتلا ہو کر داغ مفارقت دیا۔ خداوند رحیم و کریم ان تمام مرحومین کے درجات عالی کرے اور عزہ و متعلقین کو صبر جمیل کرامت فرمائے۔ ناظرین اصلاح سے درخواست ہے کہ سورۂ فاتحہ و توحید کا ثواب ان تمام مرحومین کو ایصال فرما کر ادارۂ اصلاح کو شکر گذار کریں۔

جام ولا

جناب سید مصطفےٰ حسین صاحب نجم فیض آبادی ثمّ جعفریہ کی جانی پہچانی شخصیت ہیں کچھ عرصہ قبل تک ممدوح کے قصائد قومی جرائد میں کثرت و بیشتر زینت ہوا کرتے تھے البتہ ادھر دس بندرہ برسوں سے ممدوح کا نام نہیں نظر آتا تھا۔ ابھی حال ہی میں ممدوح کے قصائد کا مجموعہ جام ولا کے نام سے ہمیں کراچی سے موصول ہوا جس میں چہاردہ معصومین کے علاوہ جناب علی اکبر حضرت عباسؑ کی شان میں بھی کئی ایک قصائد ہیں۔ آپ کی قادر الکلامی، پختہ کاری محتاج بیان نہیں ہمیں یقین ہے کہ اس گلدستہ قصائد کی کافی قدر کی جائے گی۔ لکھائی چھپائی کاغذ غنیمت ہے حجم ۸۰ صفحات قیمت ایک روپیہ دو درم خود مصنف جناب سید مصطفےٰ حسین صاحب نجم فیض آبادی نمبر ۵۹۳ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی سے مل سکتا ہے۔

آجکل کے مصنفین اور شیعہ

ادبِ شیعہ

یہ کہنا حقیقت کے خلاف نہ ہوگا کہ شیعوں کا ادب، اسلامی آداب سے پوری طرح متاثر اور اسلامی ثقافت کے رنگ میں پوری طرح رنگا ہوا ہے۔ شیعوں کے ذہن کو آزمائشوں نے جلا بخشی تھی ان کی فکریں بہت زیادہ عمیق اور انکے معانی بہت رقیق و لطیف ہیں امت اسلامیہ کو پستی سے نکالنے اور خواب غفلت سے بیدار کرنے میں وہ جوشیلے انقلابی جذبات سے سرفراز و ممتاز رہے۔

اپنے زمانہ کے حکام اور سلاطین جور کے مقابلہ میں ان جیالوں کا طرز عمل سچے عرب و راسخ العقیدہ مسلمانوں کا طرز عمل رہا۔ شیعوں کو ہر زمانہ میں ملک و ادب کی ریاست حاصل رہی ہر دور میں وہ سب سے فائق و ممتاز رہے یہاں تک کہ کلیہ ہی یہ بن گیا کہ سوا شیعوں کے کوئی ادیب نہیں ہوا۔ اگر کسی شاعر کے اشعار کی عمدگی، حسن ادا، مہارت فن کی داد دینی ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے یترفض فی شعرہ وہ تو شعر میں رافضی ہوگیا ہے ——— شیعہ ادیب و شعراء خالص عرب تھے جو شعر میں انتہائی اہم منزلت کے مالک تھے، وہ درسگاہ شعر و سخن کے ارکان اور میدان فصاحت و بلاغت کے مانے ہوئے سورما تھے جیسے۔

فرزدق بن ہمام بن غالب تمیمی المتوفی ۱۱۰ھ۔

ابو صخر کثیر بن عبد الرحمان جو کثیر عزہ کے نام سے مشہور ہیں جن کا انتقال ۱۰۵ھ میں ہوا۔

کمیت بن زید اسدی صاحب الہاشمیات المتوفی ۱۲۶ھ

اسمٰعیل بن محمد معروف بہ سید حمیری المتوفی ۱۷۹ھ

دعبل خزاعی المتوفی ۲۴۶ھ

حبیب بن اوس ابو تمام الطائی صاحب دیوان حماسہ المتوفی ۲۳۱ھ

ابو الفضل منصور بن سلمہ جو ہارون رشید کے زمانہ میں تھے۔

سید رضی رح جامع نہج البلاغہ المتوفی ۴۰۶ھ

امیر الشعراء ابو الفراس ہمدانی المتوفی ۳۵۷ھ۔

اور انھیں جیسے دوسرے جیسے ابن التعاویذی المتوفی سنہ ۵۸۴ھ، حسن بن ہانی المتوفی سنہ ۱۹۶ھ، حسین بن حجاج المتوفی سنہ ۳۹۱ھ وزیر صاحب بن عباد المتوفی سنہ ۳۸۵ھ حسن بن ہانی الاندلسی المتوفی سنہ ۳۶۲ھ، ناشی صغیر المتوفی سنہ ۳۶۶ھ اور دیگر شعراء و کتاب و خطیب وغیرہ۔

ہمارا مقصد یہاں شیعوں کے ادب سے بحث کرنا نہیں جیسا کہ ہم سُرخی قائم کی ہے حقیقۃً ہم ایک کتاب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ابھی حال ہی اسی نام سے شائع ہوئی ہے اور سنہ ۱۳۷۵ھ میں قاہرہ میں چھپی ہو اس کتاب کے مؤلف الاستاذ عبد الحسیب طہٰ حمیدہ ہیں جو مصر میں کلیۃ الادب العربی میں لکچرر ہیں اس کتاب میں صرف شیعوں کے ادب ہی سے بحث نہیں بلکہ تشیع کی تاریخ، اسکی نشو ونما عہد بہ عہد ترقی اور شیعوں کے عقائد سبھی سے بحث کی گئی ہے یہ کتاب ادبی ہونے کے بہ نسبت تاریخی کتاب زیادہ ہے۔

خاص چیز جسکی طرف ناظرین کی توجہ ملتفت کرنا چاہتا ہوں یہ ہو کہ مؤلف نے اکثر بحثوں میں مستشرقین کے اقوال و نظریات کا سہارا لیا ہے اور انکی عبارتوں کے اقتباسات دیئے ہیں گویا شروع بحث میں کوئی انکی چیز انھوں نے ذکر نہیں کی اور بہت سی باتوں کو یقینی طور پر قبول کرلیا ہو حالانکہ انھیں مناسب تھا کہ یا تو ان باتوں کو وہ حذف کردیتے یا اپنے ادبی و تاریخی ذوق کے معیار پر جانچنے کی کوشش کرتے۔

ہم نہ تو اس کتاب کی نقد و جرح ہی کرنا چاہتے ہیں اور نہ مدح و ستائش ہی۔ اگرچہ یہ کتاب بیک وقت دونوں ہی کی مستحق ہو اگر موقع ملا تو ہم اس کتاب کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ ہمارا ارادہ محترم مؤلف کو چند ضروری باتوں کی طرف متنبہ کرنیکا ہے تاکہ وہ دوسرے ایڈیشن میں ان باتوں کی تلافی کرکے حق کی خدمت اور حقیقت کا اظہار کرسکیں جو ہر مسلمان کا مقصود اور ہر انصاف پسند محقق کا مطمح نظر ہے، افترا و بہتان حقیقت سے بعید اقوال اور مغالطہ آمیز روایتیں اس کتاب کی تمام خوبیوں کا ستیاناس کئے دیتی ہیں۔ چند باتیں جو اس کتاب میں میری نظر سے گذری ہیں یہاں ذکر کررہا ہوں امید ہے استاذ موصوف میرے معروضات پر غور فرمائیں گے اور جو کچھ میں عرض کررہا ہوں اُسے کینہ و عناد پر محمول نہ فرمائیں گے۔

سب سے اہم چیز جس سے بحث یہاں مقصود ہو وہ عبد اللہ بن سبا کا قضیہ ہے جسے بہت سے مؤلفین پیش نظر رکھ کر ورق کے ورق سیاہ کرڈالتے ہیں۔ استاذ عبد الحسیب نے دوسروں کی بہ نسبت عبد اللہ بن سبا پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور اسی کو دلیل راہ قرار دیکر اپنے مقصد تک پہونچنے کی کوشش کی ہے حالانکہ ابن سبا کی شخصیت سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

مقدمۂ کتاب

کتاب کے مقدمہ سے چند فقرے ہم یہاں نقل کرتے ہیں جن سے مؤلف کے طرز استدلال اور انداز نگارش پر پوری روشنی پڑتی ہے وہ لکھتے ہیں:-

"کلیۃ لغۃ عربیہ کی ملازمت کے دوسرے ہی سال سے سیاسی ادب کی اس قسم سے مجھے دلچسپی ہی جبکہ میں وہی ادب پڑھانے اور اسکے قدیم و جدید ادب کی ریسرچ میں مشغول تھا۔ بہت ہی بیش قیمت ادبی سرمایہ نظر سے گذرا جسکو ان رہا

عقل و دانش نے پایۂ تکمیل تک پہونچایا جن کی عقلوں پر اسلام نے جلا کی تھی اور کتاب خدا نے جسے سنوارا تھا اور اجتماعی و سیاسی زندگی نے جسے استواری بخشی"۔

پھر لکھتے ہیں:-

"میں نے ازہر کے افاضل اور علماء سے درخواست کی کہ اسلامی فرقوں پر ریسرچ کریں اور اُنکے خاص طریقہ پر فرمائش کی کہ اُن کا ریسرچ محض تلاش حق کیلئے اور علمی حیثیت سے ہو۔ ہوا و ہوس اور تعصب سے پاک۔

خود میں نے شیعوں کے ادب پر لکھنا کیوں طے کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس ادب میں اہلبیت پیغمبر کی بزرگی کا اظہار اور ان کے حق کی حمایت ہے اسمیں اُن کے مقتولین کا ماتم کیا گیا ہو دوسری وجہ یہ ہو کہ یہ ادب بھڑکتے ہوئے جذبات اور سچی محبت کا ترجمان ہے اور وہ ادب جسے جذبات و احساسات اور عقیدہ نے ملکر فروغ دیا ہو ادب کے دوستوں کی نظر میں اس قابل ہو کہ اُس سے بحث کیجائے"

اس کے بعد استاذ عبد الحسیب نے اپنے بحث و تحقیق کے انداز پر روشنی ڈالی ہے اسکے بعد لکھتے ہیں:-

"تیسری فصل کو میں نے شیعوں کے عقائد کا اثر ادب پر" دکھانے کے لئے مخصوص کیا ہو۔ یہاں میری ازہریت مجھ پر غالب آگئی اور میں نے ان عقائد سے بحث کرنا ضروری سمجھا۔ میں نے وہ دلیلیں بھی ذکر کی ہیں جو اُن کے موافق ہیں اور وہ بھی جو اُنکے خلاف ہیں۔ یہاں مجھ پر شیعی فکر واضح ہوئی اور اسکے انداز معلوم ہوئے ہیں نے اسے چند فقروں میں مختصراً ذکر کردیا ہے"۔

یہ چند فقرے ہیں مقدمۂ کتاب کے جن پر اصل بحث شروع کرنے سے پہلے روشنی ڈالنا ضروری ہو ان فقروں کو پڑھکر حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں:-

۱۔ اموی ادب کو ان ارباب عقل و دانش نے پایۂ تکمیل تک پہونچایا جن عقلوں پر اسلام نے جلا کی تھی اور کتاب خدا نے جسے سنوارا تھا۔

۲۔ اموی ادب کے پہلو میں شیعی ادب ہے یا صحیح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ علوی ادب ہے وہ اس درجہ تک نہیں پہونچا اور نہ اسلامی رنگ نصیب ہوا جیسا کہ اموی ادب کو نصیب ہوا تھا۔ شیعی ادب بھڑکتے ہوئے جذبات اور سچی محبت کا ادب ہے۔

۳۔ استاذ حسیب کی تمنا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے تلاش حق کے جذبہ کے ساتھ اور علمی حیثیت سے یہی ہر مسلمان اور انصاف پسند انسان کی تمنا ہونا چاہیئے۔ ہم آگے چلکر دکھائیں گے کہ مصنف کی تمنا پوری ہوئی یا نہیں یا خود وہ زبان سے کہہ کر رہ گئے عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ استاذ حسیب نے اموی ادب کی تعریف میں یہ جو کہا ہے کہ اس ادب کو اُن ارباب عقل و دانش نے پایۂ تکمیل کو پہونچایا جنکی عقلوں پر اسلام نے صیقل کی تھی اور جسے کتاب خدا نے مہذب کیا اس سے اُن کی مراد کیا ہے؟ کیا اُن مقررین اور خطیبوں کا ادب مراد ہے جو اہلبیتؑ کی منقصت کیا کرتے اور علانیہ اُن پر سب و شتم کرتے۔ کیا یہی وہ ارباب عقل و دانش ہیں جن کی عقلوں پر اسلام نے جلا کی اور جنھیں کتاب

الٰہی نے مہذب کیا۔ یا اُن کی مراد اُن شعراء کا ادب ہے جو علویین اور اُنکے انصار کی ہجو کرکے اموی سلاطین کا تقرب حاصل کرتے تھے۔ کیا انھیں صیقل شدہ عقلوں میں سے حکیم بن عباس اعور کلبی کی بھی عقل تھی جو جناب زید کی شہادت پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

صلبنا لکم زیدا علی جذع نخلة ولم نر مهدیا علی الجذع یصلب

وقستم بعثمان علیا سفاهة وعثمان خیر من علی واطیب

ہم نے تمھارے زید کو سولی پر چڑھا دیا ہم نے آج تک کسی مہدی کو سولی پاتے نہیں دیکھا تم نے اپنی حماقت سے علی و عثمان کو ایک جیسا سمجھ لیا حالانکہ عثمان علی سے کہیں زیادہ بہتر و پاکیزہ ہیں۔

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ جب امام جعفر صادق ع نے یہ اشعار سُنے تو بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کی خداوندا اگر یہ حکیم بن عباس جھوٹا ہے تو اس پر اپنے کتے کو مسلط فرما، حکیم کوفہ سے نکلا تو اُسے شیر نے پھاڑ کھایا۔ امام جعفر صادق یہ خبر سُن کر سجدۂ شکر میں گر پڑے اور عرض کیا اس خدا کا شکر جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا۔

(تہذیب تاریخ ابن عساکر جلد ۴ ص ۴۴۴)

کیا یہی وہ ادب تھا جسے اسلام کی جلا پائی ہوئی عقلوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور شیعہ شاعر کمیت اسدی کا وہ مرثیہ جو انھوں نے زید کی شہادت پر کہا تھا خالی جذباتی شعر ہے

یعز علی احمد بالذی اصاب ابنه امس من یوسف

حضرت احمد مصطفٰے پر بہت شاق ہے وہ ظلم جو یوسف بن عمر ثقفی عامل ہشام نے اُنکے فرزند (جناب زید) پر کیا۔

مثالیں پیش کرنا ہمیں مقصود نہیں ہمیں تو صرف یہ کہنا ہے کہ اُستاذ حبیب نے اس سلسلہ میں بہت غلطیاں کی ہیں۔ اُن کا یہ کہنا کہ شیعی ادب بھڑکتے ہوئے جذبات اور سچی محبت کا ترجمان ہے اور اس میں اہلبیت پیغمبر کی بزرگی کا اظہار ہے بالکل صحیح ہے اسلئے کہ شیعہ اہل بیت کے سچے محب ہیں اور اُنکے متعلق ایسے اعتقادات رکھتے ہیں جو اسلامی حدود سے باہر نہیں ہیں۔ وہ اہل بیت رسول تھے خداوند عالم نے جنکی مودت رکھنے کا حکم دیا۔ پیغمبر نے جنکی عزت و تکریم اور نگہداشت کی پوری تاکید کی اور انھیں کتاب خدا سے وابستہ قرار دیا۔ یہ خدا کی وہ رسی ہیں جسکو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا گیا وہ سفینۂ نوح جیسے ہیں وغیرہ وغیرہ تو انکی محبت خدا و رسول کے لیے ہے نہ کہ دنیاوی محبت۔

شیعوں نے پیغمبر خدا کی وصیتیں پوری کرنے میں جو مصائب و شدائد جھیلے کون اُن سے انکار کر سکتا ہے اور استاذ حبیب نے جذبات کا جو ذکر کیا تو یہ جذبات حقیقتاً شیعوں کا شعور و احساس ہے جو فداکاری پر آمادہ کرتے ہیں اور اسی شعور و احساس نے شیعوں کو انقلابی جماعت بنا دیا جسکے مقابلہ پر تمام "مختلف قومیں" اکٹھا ہو گئیں تھیں استاذ حبیب کو خود بھی اس کا اعتراف ہے اور انھوں نے جا بجا اسکی طرف اشارے بھی کیے ہیں۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ "میں نے ازہر کے افاضل علماء سے درخواست کی کہ اسلامی فرقوں پر ریسرچ کریں اور اُن سے خاص طور پر فرمائش کی کہ اُن کا ریسرچ محض تلاش حق کیلئے اور علمی حیثیت سے ہو" تو یہ بڑی اچھی بات ہے جامعہ اس قابل بھی ہے کہ وہ اس بوجھ کو اٹھا سکے ہم ان تمام ارباب قلم اور مصنفین سے جو شیعوں کی تاریخ سے بحث کرتے ہیں متمنی ہیں کہ انکی ساری

بحث بحث و تحقیق تلاش حق کیلئے اور علمی حیثیت سے ہو۔ تعصب اور گروہ بندی سے پاک خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ میں جبکہ ان چیز وں کی بیحد احتیاج ہے۔

موضوع حدیثیں

استاذ حسیب کہاں تو ادبی حیثیت سے بحث کر رہے تھے کہ دفعتاً محدث اور نقاد حدیث کی حیثیت اختیار کر لی اور موضوع حدیثوں کی بحث چھیڑ دی اور شیعوں کو مطعون اور متہم کرنے میں ٹھیک وہی طریقہ اختیار کیا جو دیگر مصنفین اور ارباب قلم کا ہو کہ شیعہ اپنے مزعومات کی تقویت کیلئے حدیثیں گڑھتے ہیں چنانچہ اپنی کتاب کے ص۱۱ پر لکھتے ہیں:-

"یہ دعوے (یعنی شیعیت کے دعووں کے لئے) ضروری تھا کہ ان کے لئے کچھ دلائل و براہین بھی ہوں جو مؤید ہوں ان دعووں کے چنانچہ شیعوں نے قرآنی آیات کی تاویل اور حدیثوں کے الفاظ کی توجیہ کی کوشش کی کوئی ایسا قرآن تو بنا نہیں سکتے تھے جو ان کے مذہب کے مطابق ہوتا اور ان کی حاجتیں پوری کرتا خداوند عالم نے قرآن کی حفاظت کی ہے لیکن حدیثیں گڑھنا اور پیغمبر خدا پر جھوٹ باندھنا اور غلط سلط باتیں آں حضرت کی ذریت کی طرف منسوب کرنا آسان تھا چنانچہ شیعوں نے حضرت علیؑ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں گڑھ لیں"

ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کا نہ تو طرز تحریر ہی نیا ہے اور نہ یہ عبارت ہی نئی ہو اتنی کثرت سے ایسی باتیں کہی گئی ہیں کہ سنتے سنتے کان پک گئے۔ یہ تو مستشرقین کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جنھیں ان کے مقلدین دہراتے رہتے ہیں۔ سوچنے کے اس انداز پر ہم ابھی استاذ ذہبی سے بحث کر چکے ہیں یہی انداز تقریباً ہر مصنف کا ہو اور کوئی کتاب اس سے خالی نہیں ہم کہتے ہیں کہ آخر محبان علیؑ کو حدیثیں گڑھنے کی ضرورت بھی کیا تھی کیا علیؑ ایسے ہی خالی اور تہی دامن تھے فضائل سے کہ ان کے شیعوں کو زبردستی کے فضائل ان کے متعلق تصنیف کرنے پڑتے۔ حضرت علیؑ کے جتنے فضائل وارد ہیں کیا کوئی بھی مسلمان ان کا انکار کر سکتا ہے؟ مؤلف کا یہ قول حقائق پر صریحی ظلم ہے اگر وہ غور و فکر سے کام لیتے موضوع بحث کو انصاف کی نظر سے دیکھتے تو ص۱۵ پر یہ عبارت ہرگز نہیں لکھتے کہ:-

"حضرت علیؑ اور مہدی میں کیا ربط؟ علی کو آنے والی حکومتوں، واقعہ کربلا حجاج کی حکومت۔ مستقبل کے واقعات کے متعلق گفتگو کرنے سے کیا سروکار لیکن شیعہ تو علیؑ کے متعلق ایسے فضائل کے مدعی ہیں جو انسانی طاقت برداشت سے باہر ہے اور ایسے درجہ میں پہونچا دیتا ہے جو درجہ رسالت کے مساوی ہے"

استاذ حسیب کھل کر نہیں مخفی لفظوں میں نہج البلاغہ کو مشکوک بنانا چاہتے ہیں یہ کوشش سب سے پہلے ساتویں صدی ہجری میں ابن خلکان نے کی تھی ان کے بعد انھیں جیسے دوسرے تحریف پسندوں نے اس دائرہ کو وسعت دی اور نت نئے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے کہ نہج البلاغہ حضرتؑ کے کلمات کا مجموعہ ہے بھی یا نہیں۔

اسی وجہ سے انصاف پسند محققین نے بھی ابن خلکان کی روا اپنے اوپر فرض کر لی اور نہج البلاغہ کے

کلام امیر المومنینؑ ہونیکے دلائل وشواہد کے ڈھیر لگا دیے۔

گذشتہ زمانوں میں امیر المومنینؑ کے خطبات خطباء و مقررین کا بہت بڑا سرمایہ تھے اُن کی تقریر و تحریر کا دارو مدار اسی پر ہوا کرتا بہت سے لوگوں نے تقریباً چار سو خطبے آپ کے حفظ کر رکھے تھے اور وہی خطبے لوگوں میں دائر و سائر ہیں اور انھیں کو اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کرتے ہیں۔

ہم یہاں نہج البلاغہ کے متعلق بحث کرنا نہیں چاہتے لیکن اساد ذہبی جو نکہ خود کہہ چکے ہیں، ریسرچ محض تلاش حق کے لیے اور علمی حیثیت سے ہو۔ اس لیئے ضروری تھا کہ ہم اُن کی اس لغزش پر تنبیہ کرتے چلیں وہ خود انصاف سے اپنے دل میں سوچیں کہ اُن کے مذکورہ بالا نقرے کہاں تک حق کے لیئے اور کس حد تک علمی حیثیت سے ہیں۔ اسی کیساتھ یہ کہے بغیر بھی چارہ نہیں کہ شیعوں پر اُن کی یہ تہمت تراشی کہ "شیعہ تو علیؑ کے متعلق ایسے فضائل کے مدعی ہیں" محض جذبات کی پیروی حق سے برگشتگی اور شان علم کے قطعی معارض ہے۔

علی اسکے محتاج نہ تھے کہ انکی طرف زبردستی فضائل منسوب کیئے جائیں۔ ہم ان حدیثوں سے قطع نظر کرتے ہیں جو شیعوں کے واسطے سے وارد ہیں ہم صرف اُن حدیثوں کا جو اہلسنت کے طریقہ سے وارد ہیں حوالہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی شخص بھی اس کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ حدیثیں اپنے مذہب کی حمایت و تائید میں تصنیف کی گئی ہیں۔ بقول امام احمد صحیح سلسلہ ہائے اسناد سے کسی بھی صحابی کے اتنے فضائل وارد نہیں ہوئے جتنے حضرت علیؑ کے ہوئے۔ (مناقب احمد لابن الجوزی ص ۱۶۳)

دوسرے علماء و محدثین جیسے اسماعیل قاضی۔ نسائی۔ ابو علی نیشاپوری وغیرہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

(مناقب الامام علی للعینی ص ۱۲)

بہر حال علی ابن ابی طالب ایسے خصوصی فضائل کے حامل اور ایسی بلند منزلت کے مالک تھے جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ پیغمبرؐ نے اپنی آغوش میں پالا آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں ان کی نشو و نما ہوئی پیغمبرؐ نے اپنے علوم یوں بھرائے جس طرح طائر اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے آں حضرتؐ نے اپنے اسرار و رموز ان کے ودیعت کیئے جب تک پیغمبرؐ زندہ رہے ایک لمحہ کے لیئے بھی علیؑ آپ سے جدا نہ ہوئے سب سے پہلے آپ نے رسالت کی تصدیق کی اور بروز دعوت عشیرہ آپ ہی نے آپ کی صدا پر لبیک کہی بشب ہجرت جبکہ کفار نے طے کر لیا تھا کہ شمع نبوت کو گل کر دیں علیؑ ہی نے اپنی جان بیچکر پیغمبرؐ کی حفاظت کی۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۵)

پیغمبر خدا نے جس دن اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ کیا تو علیؑ کو اپنے لیئے مخصوص رکھا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ (ریاض نضرہ کنز العمال وغیرہ) علیؑ آپ کے لیئے ایسے تھے جیسے موسیٰ کے لیئے ہارون (صحیح بخاری مسلم و ترمذی وغیرہ) اصحاب پیغمبرؐ علیؑ کو برا بھلا کہنا پیغمبرؐ کو برا بھلا کہنے کے مرادف سمجھتے

تھے۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹، خصائص نسائی صفحہ ۲۷) اسی طرح منافقین علیؑ کی عداوت سے پہچانے جاتے تھے اسلئے کہ پیغمبر خدا کا ارشاد ہے اے علی تم کو مومن ہی دوست رکھے گا اور منافق ہی دشمن (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۶۲ شرح نووی)۔ جابر بن عبداللہ انصاری ابو سعید خدری وغیرہ کی صراحت ہے کہ ہم منافقین کو اُن کی علی دشمنی سے پہچانتے تھے۔ (صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

پیغمبر خدا نے علیؑ کی جوانمردی راہ خدا میں اُن کے ثبات قدم۔ خدا و رسولؐ کی محبت اور خدا و رسولؐ کے انکو محبوب رکھنے کی شہادت بروز خیبر یہ ارشاد فرما کر دی کہ کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جو خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ جسے دوست رکھتے ہیں اور خدا اس کے ہاتھ پر فتح عنایت کرے گا۔

اس حدیث کو بخاری و مسلم احمد بن حنبل ابو داؤد ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ ارباب صحاح و مسانید نے متعدد مقامات پر درج کیا ہے۔

پیغمبر خدا نے علیؑ کے متعلق یہ شہادت بڑے نازک وقت میں دی تھی جبکہ یہودی قلعہ بند ہو گئے تھے اور کسی کو ہمت نہ ہو رہی تھی کہ ان یہودیوں پر حملہ کر کے قلعہ کو فتح کرے۔ رسالت مآب نے اعلان فرمایا کہ فتح علیؑ کے ہاتھوں پر ہوگی جسے خدا و رسولؐ دوست رکھتے ہیں اور جو خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:-

> پیغمبرؐ کا یہ ارشاد شہادت ہے اس بات کی کہ علیؑ ظاہر میں بھی مومن تھے اور باطن میں بھی۔ اور ثبوت ہے کہ وہ خدا و رسولؐ کو دوست رکھتے تھے اور مومنین پر واجب ہے کہ علیؑ کو دوست رکھیں۔
>
> (فتح المجید لعبد الرحمان الحفید محمد بن عبد الوہاب صفحہ ۹)

ہم مختصر طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اگر سیاست گھات لگائے نہ رہتی اور حق بات زبان سے نکالنے والوں کیلئے پھندے نہ نصب کئے ہوتی تو ان باتوں کے بارے میں جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہیں ایک شخص بھی تجاہل عارفانہ نہ کرتا اور نہ علیؑ کے فضائل کی حدیثوں پر سوالیہ اور تعجب کے نشان لگائے جاتے۔

استاذ حسیب نے اس موضوع کو چھیڑ کر بہت سے شکوک ہمارے دل میں پیدا کر دیئے ہمیں اطمینان نہیں رہا کہ وہ معاملات کو ٹھیک سے سمجھ پائیں گے اور جس موضوع پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے اس سے پوری طرح انصاف بھی کر سکیں گے۔

چونکہ ان بحثوں میں پڑنا ہمیں منظور نہیں اس لئے مزید کچھ لکھنے سے پرہیز کرتے ہیں ورنہ ہم ہزاروں من گڑھت حدیثیں اور خود ساختہ فضائل ان لوگوں کے آپ کی کتابوں سے پیش کر سکتے تھے جو علیؑ سے کہیں گھٹ کر تھے اور فضل و شرف میں جنھیں علیؑ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

ہم اس موضوع کو نظر انداز کرنا ہی بہتر سمجھتے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں۔
